باسمہٖ تعالیٰ

خضر کی صورت رہا جو جادہ پیمائے حیات
وہ جلالِ علم ہے تاریخ میں "نقشِ دوام"

نقشِ دوام

امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری

کے

سوانح، علمی و عملی شاہکار، سیاسی افکار، دینی نظریات

اور

تحقیقات و تفردات کا ایک بسیط جائزہ

از: —— انظر شاہ مسعودی

شاہ بک ڈپو، دیوبند۔ (یو، پی)

نام کتاب :— "نقشِ دوام"

مرتب :— انظر شاہ مسعودی

کتابت :— محبوب الرحمٰن قاسمی بجنوری

مصحح :— انیس الاسلام القاسمی و احمد خضر شاہ مسعودی

مطبع :— شیروانی آفسٹ پرنٹرز دہلی

تعداد طباعت :— ایک ہزار

باہتمام :— حکیم مصباح الدین مردانی

قیمت :— تیس روپیہ

ناشر:

شاہ بکڈپو، دیوبند (یو، پی)

فہرستِ مضامین

ہیں بکثرت تواتر ہے اس قدر کہ اس کی فہرست بھی نہیں پیش کی جا سکتی بسا اوقات توجہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں فلاں قسم کا تواتر موجود ہے۔ اقسامِ تواتر کے بعد مرتبۂ واجب کو بھی بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں باب ماجاء فی مفتاح الصلوٰۃ الطہور کی شرح میں اللہ اکبر ابتداء میں اور السلام انتہاء میں مرتبۂ واجب کو لئے ہوئے ہے اور احناف اسی کے قائل ہیں۔ اس اجمال کی تفصیل کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

حدیث تینؔ اقسام پر ہے متواتر، مشہور، خبرِ واحد۔ اور معلوم ہے کہ احناف نصوصِ قطعی پر خبرِ واحد سے اضافہ جائز نہیں سمجھتے جبکہ شوافع اور ان کے ہم خیال اس اضافہ کو درست قرار دیتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ احناف کا یہ مذہب علی الاطلاق صحیح بیان نہیں ہوا وہ بھی اضافہ کی صحت کے قائل ہیں۔ لیکن رکن یا شرط کے درجہ میں نہیں بلکہ وجوب و سنت کے درجہ میں اس لئے خبرِ واحد وجوب و سنت کو ثابت کرے گی نہ کہ رکن و شرط کو اس لئے یہ قطعاً لاعلمی ہے کہ احناف کو خبرِ واحد کا تارک سمجھ لیا جائے۔ یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ جس چیز کا ثبوت دلائلِ ظنیہ سے ہو اس کے شرائط و ارکان خبرِ واحد سے ثابت کئے جا سکتے ہیں جو خود دلیلِ ظنی ہیں۔ لہٰذا ظن کے مطابق عمل کیا جا سکتا ہے لیکن یہ اثباتِ شرط کے لئے مفید نہ ہوگی۔ شوافع نے ظن کو قطعیت کا درجہ دے دیا ہے اور اسی لئے وہ خبرِ واحد سے رکن اور شرط ثابت کرتے ہیں' اصول و ضوابط کے تحت اگر غور کیا جائے تو اس مبحث میں احناف کا مذہب قریب بصحت ہے۔ یہ اس لئے کہ جو چیز ثبوتاً ظنیؔ ہوگی وہ صرف واجب کو ثابت کر سکتی ہے رکنیت کے لئے کس طرح مفید ہوگی؟ پھر یہ بھی ہے کہ واجبات صرف نماز و حج یعنی عبادات میں ہیں۔ میرے خیالات میں معاملات میں واجبات نہیں ہیں۔ شریعت معاملات میں شرائط و ارکان کو ذکر کرتی ہے فرائض و واجبات نہیں' بخلاف شئے الواجب کے کہ وہ عبادات و معاملات دونوں میں یکساں ہے۔ شوافع حج میں واجب الشئےؔ کو مانتے ہیں جبکہ نماز میں اس کے منکر ہیں۔ حافظ ابن تیمیہ نے مناہج السنّۃ میں لکھا ہے کہ نماز ابوحنیفہ، مالک، احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے خیال میں فرض، واجب اور سنت سے مرکب ہے اور امام شافعیؒ نماز کی ترکیب صرف فرائض اور سنن سے مانتے ہیں۔ ابنِ تیمیہ کی اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ مالکیہؔ اور حنابلہ واجب الشئےؔ کے قائل ہیں پھر احناف کی مخالفت میں انکار کس بنیاد پر ہے؟ الّا یہ کہ امام مالکؒ کے خیال میں واجب

سنت کی قسم ہو۔

حنابلہ قاعدۂ اولےٰ کو فرض کہتے ہیں اور اس کے ترک کو سجدۂ سہو سے صحیح کر دیتے ہیں۔ بتایا جائے کہ یہ اگر مرتبۂ واجب کی بات نہیں ہے تو پھر کیا ہے؟ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ یہ حضرات اصطلاحات میں اختلاف کر رہے ہیں احکام میں کوئی اختلاف نہیں۔ احناف نے حج و نماز میں شارع کی جانب سے بعض چیزیں مؤکد پائیں اور ان کی کمی کو کسی فساد کے بغیر تدارک کرتے ہوئے بھی پایا تو ایسی چیزوں کو واجب کے درجہ میں لے لیا۔

اس کے بعد تحریر فرمایا ہے کہ:۔

نبوت، دلیل کے ظنیؔ ہونے کی بنا پر درجۂ واجب کی چیز ہے اور غالباً اسی بناء پر حافظ ابن ہمامؒ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے واجب کا انکار کیا ہے کیونکہ آپؐ کیلئے کوئی شے مظنون و مشتبہ نہ تھی۔

لیکن میں کہتا ہوں کہ واجب کے باب میں یہ بحث دلیل کے طور پر ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وجوب کی حقیقت پر اطلاع نہیں ہوئی۔ درآنحالیکہ اس کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں کہ وہ فرض کی تکمیل کے لئے اس طرح کام کرتا ہے جیسا کی سنتیں۔ البتہ جو کمال واجب سے حاصل ہوگا وہ سنت سے حاصل شدہ کمال پر فائق ہوگا۔ اگر یہ بات سمجھ میں آگئی تو آیت وذکر اسم ربہ فصلیٰ سے ذکر کی فرضیت ثابت ہوئی اور ذکر بھی ایسا جو مضمونِ تعظیم کا حامل و ترجمان ہو اور اس باب میں جو احادیث مہیا ہیں وہ چونکہ ثبوتاً ظنیؔ ہیں ان سے ذکر اللہ اکبر کا وجوب ثابت ہوا۔ غرضیکہ احناف جس وجوب کے قائل ہیں وہ ثابت ہے اور اس کا انکار نہیں کرنا چاہیئے۔ مرحوم ابتدائے درس میں اس بحث کی اہمیت کے پیشِ نظر اور اس لئے کہ وجوب کا مسئلہ مختلف فیہ ہے تفصیل سے بیان فرماتے۔ اس علمی و تحقیقی بحث کو مکمل نہیں کہا جا سکتا تاوقتیکہ دلائل کی چہار اقسام بھی پیشِ نظر نہ ہوں۔ ان ہی کی تحقیق کے مطابق

۱۔ قطعی الدلالۃ و قطعی الثبوت، یہ دلیل مامورات و منہیات میں ایک کی فرضیت اور دوسرے کی حرمت کو ثابت کرتی ہے۔

۲۔ ظنی الدلالۃ و ظنی الثبوت، یہ اگر منہیات میں ہو تو کراہتِ تنزیہی کو بتائے گی اور بجانبِ امر اس کے مستحب ہونے کو واضح کرے گی۔

۳۔ ظنی الثبوت وقطعی الدلالۃ۔

۴۔ قطعی الثبوت وظنی الدلالۃ۔ ان کا تعلق اگر اوامر سے ہے تو ان کا وجوب یا مسنون ہونا ظاہر کریں گے اور اگر منہیات سے ہے تو پھر کراہتِ تحریمی ثابت ہوگی۔ اس تفصیل سے فرض، واجب کا فرق مزید واضح ہوا۔

تحقیقِ رجال:۔ نہ جاننے والوں سے تو کیا عرض کیا جائے جو جانتے ہیں انہیں معلوم ہے کہ حدیث کا نصف علم رجال سے متعلق ہے۔ حدیث کی قبولیت وعدمِ قبولیت، صحت وضعف اور اسی قبیل کے دوسرے فیصلے داخلی پہلو سے ہٹ کر خارج میں رجال ہی پر موقوف ہیں کس درجہ کی ہے، وہ شخصیت جو سلسلۂ سند میں مذکور ہے؟ اس کا پایۂ علمی، ثقاہت ودیانت حفظ وذکا، احتیاط وورع، تقوے ودیانت اور حدیث کو قبول کرنے کی وہ تمام شرائط جو ان رجال میں ہونی چاہئیں کیا ان میں موجود ہیں یا نہیں؟ فنِ رجال کی روح ہے۔ موجودہ درسگاہی نظام میں جہاں حدیث کی شرح ہی کا حق ادا نہیں ہوتا رجالی مباحث کی توقع بیکار ہے۔ لیکن حضرت شاہ صاحب قدیم محدثین کی طرح رجال پر سیر حاصل تبصرہ فرماتے۔ مستدلاتِ احناف میں مخالفین نے حدیث کو استدلال کے دائرہ سے نکالنے کی جو کوششیں کی ہیں ان کا جواب اسکے سوا ممکن نہیں کہ رجالی مباحث سے ان رواۃ کو مجروح ہونے سے بچایا جائے جن کی ثقاہت زبردستی مخدوش کی گئی۔ جہاں تک میں جانتا ہوں رواۃ میں کچھ ہی ایسے خوش قسمت اشخاص ہوں گے جن کی تعدیل پر عام اتفاق رہا ہے اور وہ بدنصیب بھی کم ہیں جن کے مجروح ہونے پر سب متفق رہے ورنہ عام حال یہ ہے کہ ایک ہی راوی سے متعلق تعدیل وجرح کے متضاد اقوال سے اسماء الرجال لبریز ہے۔ بلکہ ایسا بھی ہوا کہ ایک مکتبۂ فکر نے دوسرے مکتبۂ نظر کے افراد کو مجروح بنانے کی ہمہ جہت کوشش کی۔ ظاہر ہے ان حالات میں اس کے سوا اور کیا چارہ کار تھا کہ مجروح شخصیتوں کے لئے تعدیل کا مصالحہ بہم پہونچایا جائے لیکن یہ وہی کرسکتا ہے جسے وسعتِ مطالعہ کے ساتھ بے نظیر حافظہ کا جوہر بھی نصیب ہو۔ چنانچہ مرحوم نے اس سلسلہ میں احناف کے رُواۃ کو محفوظ رکھنے کے لئے رجال کی بحثوں سے خاص کام لیا۔ ایک حدیث کسی مسئلہ میں احناف کے لئے کارآمد ہے حافظ ابن حجر عسقلانی نے اسی روایت کے ایک راوی کو مجروح کرنے کے لئے جب کوئی گنجائش نہ پائی تو ترکِ جماعت ہی کا الزام لگا دیا۔ شاہ صاحبؒ نے جواب دیتے ہوئے

فرمایا کہ امام مالک ایک عرصہ تک مسجد نبوی کے جوار میں رہنے کے باوجود اس مقدس ترین جماعت میں شریک نہ ہوئے اور جب تشریف لائے تو کسی پوچھنے والے کے جواب میں فرمایا کہ بعض اعذار ناقابل بیان ہوتے ہیں۔

شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ اس کے باوجود مالک علیہ الرحمہ کی ثقاہت میں کوئی فرق نہ آیا اور حنفیہ کے لئے مفید اس روایت میں یہ غریب راوی بے تکلف زخمی کردیا گیا۔ اس طرح انھوں نے اپنی غزارتِ علمی کو حنفیہ کے لئے مفید تر بنادیا تھا۔ جہاں کسی پر جرح کرکے اسکی روایت پایۂ ثقاہت سے گرانے کی کوشش کی گئی آپ اسی سرمایہ سے اس کی حیثیت کو مستحکم بناتے پھر یہی نہیں بلکہ متقدمین ومتاخرین کی ان لغزشوں پر بھی وسیع نظر کی جو ان حضرات سے واقع ہوئیں، مثلاً:۔

(۱) مولانا عبدالحئی فرنگی محلی جن کا وفورِ علم متاخرین میں تسلیم حقیقت ہے آپ نے شرح وقایہ کی شرح "سعایہ" میں ایک حدیث "بنایہ" سے نقل کی جس میں کاتب کی غلطی سے ابن سلمہ کے بجائے "عن بن سفیان" لکھا گیا۔ شاہ صاحبؒ نے کاتب کے اس تسامح پر طلبہ کو توجہ دلائی اور بتایا کہ یہ ابن سلمہ ابووائل شفیق بن سلمہ ہیں۔ ابوداؤد میں اس نام کی تصریح موجود ہے۔

(۲) ایک اور روایت جس کے الفاظ یہ ہیں سعید عن ابن عباس قال خرج رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من الغائط الخ۔ عام حدیث کی کتابوں میں اس روایت میں سعید بن جبیر کا تذکرہ ہے۔ فرمایا کہ یہ سعید بن جبیر نہیں بلکہ سعید بن حویرث ہیں۔

(۳) مشہور حدیث حسن میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم غنائم پر ذوالخویصرہ کی جانب سے تقسیم کے غیر منصفانہ ہونیکا اعتراض ہے۔ یہی ذوالخویصرہ بعد میں فرقۂ خوارج کا منادی بنا۔ اسی نام کے ایک دوسرے صاحب بھی تھے جنھوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامِ قیامت کے بارے میں سوال کیا تھا اور آپؐ نے کسی قدر ترش رو ہوکر اُن سے پوچھا کہ تم نے قیامت کے لئے کیا تیاری کی؟ اُن کا جواب یہ تھا کہ میرے پاس بجز آپؐ کی محبت کے اور کوئی زادِ آخرت نہیں۔ اسی جواب کو سراہتے ہوئے لسانِ نبوت سے یہ الفاظ ادا ہوئے تھے کہ

"پھر تم اپنے محبوب کے ساتھ ہوگے۔"

شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حدیث میں موجود مختلف تذکرے کہ ایک میں آنحضورؐ پر